نگینہ جبیں

جب گھُل گیا 'نمک'

اُردو فکشن میں اقبال مجید ایک ماہر افسانہ نگار کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن وہ "کسی دن" اور "نمک" لکھ کر کامیاب ناول نگاروں کی صف میں بھی شامل ہو گئے ہیں۔ نمک، ان کا دوسرا ناول ہے جو مارچ ۱۹۹۹ء میں نیاسفر پبلیکیشن الہ آباد سے شائع ہوا ہے۔ یہ ناول ایک سو چھتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کا ہر صفحہ قاری کو زندگی کے ایک نئے تجربے سے گزارتا ہے۔ جیسے جیسے ناول کی کہانی آگے بڑھتی ہے اس کی تحیر زا صورتوں میں اضافے ہوتے جاتے ہیں۔ اگرچہ واقعات کے تسلسل اور کہانی کے اعتبار سے اسے صرف ناولٹ ہی کہنا مناسب ہے مگر اس کے پس منظر میں چلنے والی ایک معنوی، حقیقی اور تجرباتی داستان بھی ہے جو بڑی مہارت، وسعت اور گہرائی کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔

عرصہ سے ناولوں سے عورت اور اس کے مسائل افسانوی موضوعات میں ایک طرح سے کم ہو گئے تھے اور اگر تھے تو اتنے نکھر نہیں۔ ۱۹۸۰ء کے بعد لکھے جانے والے چند ناولوں نے خواتین اور ان کی زندگی کے مسائل اور کش مکشوں کی طرف توجہ کی۔ "کینچلی" "ندی" "تین ہستی کے راما" "فرات" اور "فائر ایریا" میں عورت اپنی ذات اور اس سے وابستہ گردو پیش کے سیاسی، سماجی' معاشی، نفسیاتی اور خصوصی طور سے جنسی مسئلوں کے ساتھ ان ناولوں میں داخل ہوئی ہے۔ اگرچہ ان تمام ناولوں میں موضوعات کے اعتبار سے کردار عمل کرتے ہیں، پھر بھی ان ناولوں میں نسوانی کرداروں کو ہی مرکزیت حاصل ہے۔

"کسی دن" اور 'نمک' میں بھی مرکزی کردار عورت ہی ہے۔ لیکن اقبال مجید نے اسے نئے پیکر میں ڈھالا۔ 'نمک' کے دار الا ستکبار میں ایک ہی خاندان کی تین نسلوں کی زندگیاں پیش کی گئی ہیں۔ پہلی نسل زہرہ خانم عرف محبوب جان، مرغوب باندی، عطاء اللہ اور سلطان خاں وغیرہ کی ہے۔ شاہ زمن کا سیاسی عہد ہے ان کی زندگیاں۔ اسی سیاسی، معاشی، اور

تہذیبی پس منظر کے ساتھ ناول میں داخل ہوتی ہیں۔ زہرہ خانم شاہ زمن کے دربار میں رقاصہ ہے جس کی زندگی کے آخری دنوں میں دارالاشکبار کے گرد تمام کرداروں کی تہذیبی، معاشی اور علمی و ادبی زندگیاں چکر کاٹتی ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ وقت اور زمانے کی رفتار نے ان کی زندگی کی 'لے' اور 'نئے' کو اپنے سانچوں میں ڈھال لیا ہے۔ 'نمک' ایک طرح سے کرداری ناول ہے۔ جس کا نمک زہرہ خانم ہے۔ اسی کی زندگی کے تجزیے سے ناول میں اٹھائے گئے مسائل، کشمکش اور سوالات کے مختلف ذائقے ملتے ہیں۔ محبوب جان کی زندگی کے پورے کینوس کو مصنف نے یقیناً دلچسپ ڈھنگ سے اس کے حال کو، اس کے ماضی کی تصویروں میں سجاکر پیش کیا ہے۔ ناول نگار کی مہارت یہ ہے کہ قاری اور اس تصویر کے دوسرے دیکھنے والے اور ناول کے دوسرے کردار محبوب جان سے الگ نہیں ہوپاتے، بلکہ اس کی زندگی کے ساتھ تجسس لے کر چلتے رہتے ہیں۔

دوسری نسل زہرہ کی اولادوں کی ہے جو صارفیت کے دور میں، اپنے ماضی کی عزت جو حال میں ان کی ذلت و رسوائی کا سبب بن چکی ہے، سے فرار کر کے صرف دولت کی بنیاد پر کھڑی، نئی بنتی ہوئی تہذیبی قدروں اور دکھاوٹی سوسائٹی کی چمک دمک میں چپکے سے داخل ہونا چاہتے ہیں۔ جن کے لئے ساری ترقیوں کے باوجود محبوب جان ان کے حال اور مستقبل کی زندگی کے لئے ذلت و حقارت کا خطرہ بنی ہوئی ہے۔ جس سے یہ سب خوف زدہ ہیں اور نجات چاہتے ہیں۔ محبوب جان کا ۱۹۳۹ء میں فرضی موت مرنا اور نئی نسل کو پیغام دینا ہی ان کے خوف اور جدید دور کی ترقی یافتہ سوسائٹی کے کھوکھلے پن کی چغلی کھاتا ہے۔ یہ افراد اپنی ذات میں گم ہیں۔ انہیں اتنی بھی فرصت نہیں کہ وہ اپنے ماضی اور حال کی گرفت سے نکل کر ایک لمحہ کے لئے سوچیں کہ کیا واقعی وہ انسانوں کی شکل میں زندہ ہیں؟ کیا انسانیت کا نمک ان کے خون میں گردش کر رہا ہے۔ یا واقعی دور حاضر کی دنیا "دو رنگی مکار اسرائے ہے؟ اور وہ اس سرائے کے مسافر۔ دراصل یہ نسل ہندوستان کے نودولتے افراد کے خیالات اور ان کے حیرت ناک عمل کی نمائندگی کرتی ہے۔

تیسری نسل زہرہ کے پوتوں، پوتیوں، نواسیوں اور ان کے نوجوان دوستوں ذکی، نوید، آشوتوش، کیتھرین اور ابوبکر وغیرہ کی ہے جو سائنسی ترقی انٹرنیٹ کمپیوٹر، لیپ ٹاپ،

ٹیکس، موبائل، کلون، منشیات، جنسی کجرویوں، نفسیاتی الجھنوں ذاتی فلسفوں، نظریات اور منتشر خیالات کے ساتھ قدیم مذہبی اور تہذیبی اقدار سے انحراف کرتے ہوئے ناول کے لیپ ٹاپ پر نظر آتے ہیں۔ جہاں وہ ساری ترقیوں اور کامیابیوں کو مٹھی میں بند کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ہر بار یہ تمام چیزیں ان کی ہتھیلیوں سے پھسل جاتی ہیں۔ کیوں کہ نئی نسل کی زندگی کے راستے معین نہیں ہیں اور منزلیں گمشدہ ہیں جس کی تلاش میں وہ بھاگ رہی ہے۔ کبھی وہ جنسی آسودگی کا سہارا لیتی ہے، کبھی سائنسی ترقی، بے بنیاد فلسفہ اور متفرق نظریات کا اظہار کر کے۔ ان کا ماضی سے کوئی سروکار نہیں، حال سے یہ مطمئن نہیں اور مستقبل کا پتہ نہیں۔ ایسا اس لئے بھی ہے کہ دورِ انقلاب میں ہر شعبۂ حیات نے اپنی اصل صورت بدل لی ہے اور دنیا صرف موکھوٹوں کے سہارے چل رہی ہے۔ جہاں حتمی طور پر کسی مسئلے کے حل کے متعلق کوئی فیصلہ ناممکن ہے۔ نئی نسل تذبذب اور کشمکش کے دور سے گزر رہی ہے۔ اس طرح "نمک" میں "ساری کشمکش آج پرانی دنیا، درمیانی دنیا، اور نئی دنیا کے درمیان ہے اور آج ایک ہی وقت میں اِن تینوں دنیاؤں کی عملداری ہے۔"

استم، سم سم، کیتھرین وغیرہ کی زندگیوں کے موڑ اپنی اپنی تصویریں پیش کرتے رہتے ہیں۔ ناول کے مقدمے میں شمیم حنفی صاحب کا یہ اندیشہ اور اندازہ کچھ غلط نہیں کہ "نمک ایک وجودی ناول ہو سکتا ہے" (اگرچہ انہیں اسے وجودی کہتے ہوئے ایک جھجھک سی محسوس ہوتی ہے) ان کے خیال سے کسی حد تک اتفاق کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ محبوب جان کا خاندان اپنے اپنے دور کے حال اور ماضی سے بے نیاز ہو کر گزرتا رہتا ہے اور زندگی کی نئی امکانی صورتوں سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے یعنی استمتاع کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ صارفیت نے آج جدید عورت کو کہاں پہنچایا ہے اس کی ایک جھلک اقبال مجید کے چند بیانات سے ہوتی ہے۔

> "میرے پاس نہ دریا امنگیں ہیں نہ سکون بخش حقیقتوں کی چھاؤں، میں صنعتی اور تجارتی ضرورتوں کے لئے سدھائی گئی۔
> ایک شئے ہوں ایک چلتا پھرتا بدن...... جس کے لباس کی خوشبو اور بالوں کی آرائش ایک بیوٹی پارلر فراہم کرنے میں لگا

ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ عورتیں کیوں روتی ہیں اور کیسے
روتی ہیں۔"

جدید دور کی ترقی یافتہ سم سم یا کیتھرین یا خود زہرہ خانم سب ہی اپنے اپنے سوالات کے جوابات کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

"اگر زہرہ خانم کی زندگی آسان تھی تو اب اس کی زندگی مشکل کیوں ہو گئی ہے۔ کیا ہوا ہے لڑتے رہنا زندگی کو مشکل بنا دیتا ہے؟ تو کیا زہرہ خانم کی زندگی واقعی آسان تھی؟ کیا ناآسودگی کی خلش ادھورے پن کی دکھن سے وہ یک سر بے بہرہ تھی۔"

اقبال مجید نے نمک لکھ کر ایک بار پھر ناولوں کو عصمت کے موضوعات، ان کی قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان، خیال، الفاظ اور تحریر سے زیادہ تیز رفتار سے چلنے والے معنی کے دھاروں، چبھتے ہوئے جملوں اور دل و دماغ میں سرایت کرتے ہوئے فقروں کو اپنے انفرادی طرز تحریر سے نئے معنی عطا کئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اقبال مجید کی نمک میں تحریر ابتدائی ساٹھ صفحات تک بڑی سست اور بو جھل ہے۔ ہر سطر جیسے سوچتے ہوئے چل رہی ہے۔ شاید اسی وجہ سے عبارت محسوسات سے بھری ہوئی ہے مگر سست قدم ہے۔ پھر اس کا بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا ہوا طرزِ تحریر قاری کی افسانوی دلچسپی کو انگیز اور تیز رفتار نہیں کر پاتا۔ قاری 'کسی دن' کی طرح 'نمک' میں پھر کیا ہوا کا تجسس ساتھ تو لئے رہتا ہے مگر اس میں وہ شدت نہیں جو 'کسی دن' میں تھی۔ اسی وجہ سے قاری 'نمک' کا ذائقہ (میرے خیال سے) اس طرح نہیں لے پاتا جیسا کہ اس کی کہانی اس سے تقاضہ کرتی ہے۔ کیونکہ ناول تو ہمیشہ سے ایک ہلکی پھلکی تحریر کی چیز رہا ہے۔ جسے محسوسات، تجربات اور تاثرات کے ساتھ پڑھا جائے نہ کہ منطقی دلائل کے ساتھ اس پر بحث کی جائے۔ بہر حال قاری کا ناول سے یہی بنیادی تقاضہ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خود ناول نگار کے تجربات و نظریات، ذاتی فلسفۂ نظر اور ناول کے موضوع نے انہیں ایسی تحریر لکھنے پر مجبور کیا۔ دار الاشکبار میں مختلف زندگیوں کی تصویریں بڑی مہارت سے پیش کی گئیں ہیں۔ مگر ہر تصویر قاری کو پوری توجہ

کے ساتھ رجحانی نہیں (کسی دن کی شوکت جہاں کے کردار کی طرح) بلکہ یا تو اسے عبرت دلاتی ہے یا اسے متنفر کرتی ہے۔

'نمک' کو اقبال مجید نے کئی جہتیں عطا کی ہیں۔ جس میں پرانی قدروں کی شکست اور نئے تہذیبی اقدار کی گمشدگی بھی ہے اور تہذیبوں اور نسلوں کا ٹکراؤ بھی "پرانی انسانی قدروں اور آدمی کی بلند ظرفی کا اس دنیا سے بے رحمانہ طور پر غائب ہو جانے کا ماتم ہے۔" ناول کا یہ اہم وصف ہے کہ اس نے بہت سے کارآمد سوالات قارئین کے حوالے کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اکیسویں صدی کی نئی بنتی ہوئی سوسائٹی میں ادب اور تہذیب کی کوئی حیثیت باقی بھی رہے گی یا نہیں؟ یا صرف انسان کمپیوٹر میں فیڈ، لیپ ٹاپ کے فیصلوں پر منحصر اور کلون میں اسیر ہو کر رہ جائے گا؟ کیونکہ موجودہ کلچر کے اعتبار سے "علم کلچر اور اخلاقیات سے پرے ہے کیونکہ ہر اخلاقیات میں آنسو ہیں آہیں ہیں اور نوحے ہیں"

اقبال مجید نے کچھ علامتی جملوں، استعاروں، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ وغیرہ سے مدد لے کر بڑی چابک دستی سے اختصار سے کام لیکر ناول کو بے جا طوالت سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں اور اشاروں سے اپنے نظریات کی وضاحت کرتے ہوئے قاری کو زندگی کے کڑوے مگر سچے تجربات اور ان کی تہوں تک لے جانے والے واقعات کو آگے بڑھانے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ چند جملوں سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ "بیٹی تیرا نمک کہاں ہے؟ میں پوچھ رہی ہوں کہ تیرے پاس اپنی کوئی روح ہے"۔ "میری بیٹی عورت کی آنکھ کے دیدوں میں اس کی تہذیب بستی ہے۔ ایسے دیدوں سے کی رنگت سے ڈر جن میں بے حیائی کی سفیدی ہو"۔ "پرانی دعائیں بددعائیں بن چکی ہیں۔" "بیٹا زہرہ کا نمک اٹھ چکا ہے جو باقی تھا وہ ذائقے کے لئے نہیں زخموں پر چھڑکنے کے لئے ہے۔" "اگر رشتوں کے درمیان کسی ایک کو رونا لازمی ہی ہے تو پھر عورت ہی کیوں ہو مرد کیوں نہ ہو۔ کیا کیتھرین یہ سمجھتی ہے کہ فیمن ازم کسی ایسی وردی کی جستجو کا نام ہے جس میں مرد کی حیثیت کلائی کے بٹن سے زیادہ نہ ہو۔" "یا جیسے ٹھینگہ، وردی اور مجھے گڑ نہیں گلگلے اچھے لگتے ہیں۔ جیسے الفاظ ایک لمحۂ فکر قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ناول نگاری وسیع النظری کا ثبوت بھی۔ خود سم سم کا نام بھی علی بابا چالیس چور کے 'سم سم' کی طرح زہرہ خانم کی زندگی اور ناول

کے نئے موڑ کے ابواب وا کرتی ہے جس سے سارے راز آشکار ہوتے رہتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نمک میں ناول نگار کا مقصد نئی تہذیب کے ارتقا اور پرانی تہذیب کی شکست و ریخت کو متنفر کرنا ہے۔ اسی لئے نمک کو علامت اور کہانی کے محور کی شکل میں مختلف زاویوں سے پیش کیا ہے اور از خود اس کی وضاحت بھی کی ہے۔

"زندگی دستر خوان کی ہانڈی کی طرح ہے۔ ہانڈی میں ذائقے کو پروان چڑھانا تہذیب کی سب سے بڑی فنکاری ہے۔ ذائقے کا دارومدار مختلف مسالوں کی افراط اور تفریط کے درمیان حد وسط قائم کرنا پھر صحیح آنچ پر دم دینے پر منحصر ہے۔ ہانڈی میں سب سے زیادہ اہمیت نمک کو حاصل ہے...... جس طرح اچھی ہانڈی کے لئے مسالوں کو بے لگام نہیں کیا جا سکتا ہے اسی طرح اچھی زندگی کے لئے وجود کو بے لگام کرنا ممکن نہیں۔"

"انہوں نے مجھ سے گلاس کے پانی میں نمک ڈلوالیا اور چمچے سے کچھ دیر چلاتی رہیں۔ پھر مجھے حکم دیا کہ پانی سے سارا نمک واپس نکال لوں مگر تلاش کرنے پر بھی مجھے پانی میں نمک نہ ملا۔ تو انہوں نے مجھ سے پانی کو مختلف سطحوں میں انگلی ڈبو کر چکھوالیا اور پوچھا پانی نمکین ہے تو میں نے ہر بار جواب دیا کہ ہاں نمکین ہے...... بیٹی گلاس میں نمک دکھائی نہیں دیتا لیکن نمک پورے گلاس کے پانی میں موجود ہے۔ تمہاری آتماد کھائی نہیں دیتی مگر موجود ہے۔"

یہاں پانی سے بھرا ہوا گلاس انسانی زندگی ہے اور نمک عورت کی شرم و حیا، اس کی عصمت اور پاکیزگی ہے اور مردوں کے لئے ان کی شرافت، نجابت اور تہذیبی و مذہبی قدروں کی پاسداری۔ اقبال مجید نے یہ اقتباس، اپنیشد سے اخذ کیا ہے اور شمیم حنفی صاحب نے غالبؔ کے اشعار درج کئے ہیں جبکہ غالبؔ سے بہت پہلے اسی مفہوم کو دکن کے مشہور و

معروف صوفی شاعر خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے صوفیانہ انداز سے جز کا کل سے انسلاک کے مفہوم میں نظم کیا ہے جس کے وہی معنی ہیں جو اقبال مجید اپنشد سے لئے ہیں۔

پانی میں نمک ڈال مزہ دیکھنا دسے   جب گھل گیا نمک تو نمک بولنا کسے

اس سلسلے کے پہلے اقتباس میں انیسؔ کے مرثیہ کے پہلے مصرعہ کو فراموش نہیں کیا جا سکتا "نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری"۔۔۔ نمک کے تمام واقعات اس میں پیش کردہ مسئلوں، اس کے مرکزی خیال اور ناول نگار کے مقصدِ حیات کو صرف ایک شعر میں اس طرح بھی درج کیا جا سکتا ہے۔ جسے دوہے کی شکل ہندی کے کوی رحیم نے یوں قلم بند کیا ہے۔

رحیمن پانی راکھیے بن پانی سب سون   پانی گئے نہ اوبرے موتی، مانوس چون

اقبال مجید نے بندہ نواز کے نمک اور رحیم کے پانی کو ایک نیا مفہوم عطا کیا ہے۔

نمک کا مصنف بے باکانہ جملوں اور کاٹ دار فقروں کا خالق تو ہے ہی مگر ان سے قبل ایسی تحریریں منٹو اور عصمت کے یہاں بھی ملتی ہیں۔ اقبال مجید کا جملہ "دنیا دورنگی مکار اسرائے ہے" اور "میں نے سنا تھا کہ لوگ اکثر وہ نہیں رہ جاتے جو وہ ہوا کرتے ہیں بشرطیکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ کیا ہیں" جیسے جملے اور خیالات منٹو کی تحریر میں دیکھئے "آدمی جو کچھ نظر آتا ہے حقیقت میں وہ ویسا نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی اس کی شرافت محض ڈھونگ ہوتی ہے اور آئیڈیلزم ایک عیاری۔" نمک میں قدیم تہذیبی اقدار کی پاسدار خواتین جس طرح سم سم کو سمجھاتی ہیں اسی طرح عصمت کے ناول معصومہ میں بھی بعض ایسی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ جیسے "چپکا بولو لی لی۔ شریف گھرانے کی بہو بیٹیاں زور سے نہیں بولا کرتیں۔" ناول ساٹھ صفحات کے بعد دلچسپ ہوتا جاتا ہے اور قاری کو کچھ دیر کے لئے عصمت کے ناولوں 'دل کی دنیا' اور 'معصومہ' کی فضا میں لیے جاتا ہے۔ اگرچہ ناول میں خود مصنف کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ اس نے واقعات اور تحریر کو آزاد چھوڑ دیا ہے لیکن استم کے لیپ ٹاپ میں مصنف کے نظریات۔ فلسفے اور مقصدِ حیات سب فیڈ ہیں جو نمک کے نسوانی کرداروں کو اپنی گرفت میں بھی لئے رہتے ہیں اور قاری کو بار بار ناول نگار کے مقصد کی طرف کھینچ لاتے ہیں۔

ناول میں کہیں کہیں حیران کر دینے والے واقعات یا سین بھی ابھرتے ہیں جو

ناقابلِ یقین بھی ہیں اور ناممکن بھی۔ جیسے عطااللہ اور اس کی بیٹی کا قصہ اور پچاس ہزار کی رقم کا واقعہ مگر اس دور میں ایسا ہو بھی سکتا تھا اگرچہ پچاس ہزار کی رقم اس دور میں ایک بڑی رقم تھی جبکہ عطااللہ کی حیثیت کسی رئیس یا نواب کی صورت لے کر نہیں ابھرتی۔

مجموعی طور پر 'نمک' اقبال مجید کا ناول نگاری میں میل کے پتھر کی حیثیت رکھتا ہے اور جدید ناول نگاری میں اک نئی جہت کا اضافہ بھی۔

سہ ماہی

اقدار

زندگی آمیز و زندگی آموز ادب کا نمائندہ

(ادبی کتابی سلسلہ)

رائٹرز گلڈ (انڈیا) لمیٹڈ، ۲۲ر غالب اپارٹمنٹس، پیتم پورہ۔ دہلی۔ ۱۱۰۰۳۴

سہ ماہی
اقدار
دہلی
مدیر
علی جاوید